ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol. 6 No.1 2022

انسانیاتی تناظر کا بیانیہ اور عصر حاضر کا افسانہ

ڈاکٹر نعیمہ بی بی

ٹیچنگ اینڈ ریسرچ ایسوسی ایٹ

بین الاقوامی اسلامی یونی ورسٹی اسلام آباد

غزل یعقوب

ٹیچنگ اینڈ ریسرچ ایسوسی ایٹ

بین الاقوامی اسلامی یونی ورسٹی اسلام آباد

اردو ملخص۔

ابراہم ہارولڈ میسلیو Abraham Harold Maslow (1908-1970) ایک امریکی ماہر نفسیات کے طور پر مشہور تھا۔ اس نے انسان کو انسانیاتی تناظر میں پیش کرنے کے لیے اپنا ایک نظریہ وضع کیا۔ جسے وہ Humanistic Perspectives Theory یعنی انسانیاتی تناظر کا نظریہ کا نام دیتا ہے۔ میسلیو کی اس تھیوری کے تناظر میں متن کو پرکھنے کی کچھ مثالیں مغربی ناقدین کے ہاں تو ملتی ہیں مگر اردو ادب میں اس تھیوری کے تناظر میں کسی متن کی پرکھ کی کوئی مثال نہیں ملتی اس لیے اس مقالے میں عصر حاضر کے دو افسانوی مجموعوں "کہانی کا آخری کنارہ" اور "کتبوں کے درمیان" کو اس تھیوری کے تناظر میں دیکھا گیا ہے۔

Abstract:

Abraham Harold Maslow (1970-1908) was an American psychologist. He formulated his own theory to present man in a humanistic perspective, which he calls the Humanistic Perspectives Theory. There are some examples of Western critics examining the text in the context of Maslow's theory, but there is no example of examining any text in the context of this theory in Urdu literature. In this article looks at two contemporary short story collections, "kahani ka aakhri kinara" and "katbon k durmian" in the context of this theory.

ابراہم ہارولڈ میسلیو Abraham Harold Maslow (1908-1970) ایک امریکی ماہر نفسیات کے طور پر مشہور تھا۔ اس نے انسان کو انسانیاتی تناظر میں پیش کرنے کے لیے اپنا ایک نظریہ وضع کیا۔ جسے وہ Humanistic Perspectives Theory یعنی انسانیاتی تناظر کا نظریہ کا نام دیتا ہے۔ دراصل جس عہد میں اس نے یہ نظریہ پیش کیا اس وقت دنیا میں ہر طرف انسان دوستی (Humanism) کا چرچا تھا۔ ہیومنزم مختلف انسانوں کو آپسی محبت اور باہمی یگانگت کی تلقین تو کرتا تھا لیکن اس نظریے میں بشری تقاضے اور انفرادی سطح پر انسان کی خواہشات کی تکمیل کی بات نہ کی گئی۔ چناں چہ اس عہد میں انسانوں کی انسانی محبت کے ساتھ ساتھ خود انسان کی اپنے آپ سے محبت کرنے کے نظریات کو بھی فروغ ملا۔

اس عہد میں جہاں بہت سے مفکرین نے خود انسانی وجود کی اپنے آپ سے محبت کے نظریے کو فروغ دیا وہیں میسلیو نے انسانیاتی تناظر کا نظریہ پیش کیا جو بنیادی طور پر انسان دوست نظریہ اور بشری ضروریات کی تکمیل کے لیے ہے ۔ وہ انسانی ضروریات کی درجہ بندی کرتا ہے اور انسان کو پورے معاشرے میں سب سے زیادہ اہمیت دینے کی بات کرتا ہے۔ اس نے لوگوں میں مثبت خصوصیات پر توجہ دینے کی اہمیت پر زور دیا۔ اس نے لوگوں کے ساتھ امتیازی اور ناروا سلوک کی مخالفت کرتے ہوئے اپنا جو نظریہ وضع کیا ہے وہ نظریہ انسانیاتی بنیادوں پر قائم ہے۔

اس کے نظریہ کے مطابق انسان کم مایہ نہیں ہے۔ انسان اپنا ایک انسانیاتی تناظر رکھتا ہے۔ انسان لاشعوری طور پر دوسرے انسانوں سے متاثر ہوتا ہے اور اپنے شعور میں دوسرے انسانوں کے شعور کو شامل کرتا چلا جاتا ہے۔ انسان کے پاس اپنا انتخاب اور ذمہ داریاں ہیں۔ انسان سمجھ بوجھ کی طاقت رکھتا ہے۔ وہ معنی، قدر اور تخلیقی صلاحیت سے مالا مال ہے۔

میسلیو انسان کو سماجی تناظر میں ایک ایسے فاعل کے طور پر دیکھتا ہے۔ جس کی اپنی انفرادی حسیت موجود ہے۔ جو سوچ سکتا ہے۔ سمجھ سکتا ہے اور تخلیق کر سکتا ہے۔ اس میں وہ تمام انسانی جبلتیں موجود ہیں جو اسے دوسرے جانداروں سے ممتاز کرتی ہیں۔ انھی خصوصیات کے پیش نظر اس نے انسانیاتی تناظر کی تھیوری وضع کی۔ جس کے بنیادی نکات درج ذیل ہیں۔

1۔ انفرادی صلاحیت: (تمام انسان انفرادی صلاحیتیں رکھتے ہیں لیکن ان صلاحیتوں کے استعمال میں انھیں بہت سی مشکلات کا سامنا بھی کرنا پڑتا ہے۔ انسان اپنی صلاحیتوں کا اظہار نہیں کر پاتا ہے۔ لیکن اگر انسان کو درست وسائل میسر آجائیں تو اپنی صلاحیتوں کو بروئے کار لا کر انقلاب لا سکتا ہے۔)

2۔ تخلیقی صلاحیت: (انسان کو درست سمت مل جائے تو وہ اپنی تخلیقی صلاحیتوں کا مثبت استعمال کر سکتا ہے۔ میسلیو کے نزدیک معاشرہ فرد کی تخلیقی صلاحیتوں کو دباتا ہے تو پھر انسان اس صلاحیت کو منفی کاموں میں استعمال کرنا شروع کر دیتا ہے۔)

3۔ ذاتی نشوونما (انسان کے اندر جو پنپنے کی صلاحیت ہے اس کا منفی اور مثبت استعمال کیسے کیا جاتا ہے انسان کی صلاحیت معاشرے پر کیسے اثر انداز ہوتی ہے۔)

4۔ جبریت: (انسان بحیثیت انسان کے کیا خواہش رکھتا ہے اور اس خواہش کی تکمیل کیسے ممکن ہے؟ معاشرے کا جبر کس حد تک انسانی خواہشات کی تکمیل میں رکاوٹ بنتا ہے؟ معاشرہ انسان پر جبری پابندیاں کیوں لگاتا ہے؟ انسان خود مختار کیوں نہیں ہے؟)

5۔ انسانی وقار: (انسان کو بحیثیت ایک انفرادی انسان کے دنیا میں جتنی محبت اور اہمیت ملے گی۔ وہ معاشرے کا اتنا ہی فعال رکن بنے گا۔ انسان اپنے وقار اور عزت کی تکمیل کے لیے ہر لمحہ کوشاں رہتا ہے۔ اگر معاشرہ اسے بہتر وسائل مہیا کرے اسے عزت و وقار دے تو وہ بہتر انسان دوست ثابت ہو سکتا ہے۔[1]

میسلیو کی اس تھیوری کے تناظر میں متن کو پرکھنے کی کچھ مثالیں مغربی ناقدین کے ہاں تو ملتی ہیں مگر اردو ادب میں اس تھیوری کے تناظر میں کسی متن کی پرکھ کی کوئی مثال نہیں ملتی اس لیے اس مقالے میں عصر حاضر کے دو افسانوی مجموعوں "کہانی کا آخری کنارہ" اور "کتبوں کے درمیان" کے افسانوں میں انسانیاتی بیانیے کو دیکھنے کی کوشش کی گئی ہے۔

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol. 6 No.1 2022

عصر حاضر کی نمائندہ خواتین افسانہ نگاروں میں ایک نام منزہ احتشام گوندل کا ہے۔ ان کے دو افسانوی مجموعے "آئینہ گر" اور "کہانی کا آخری کنارہ" اب تک شائع ہو چکے ہیں۔ "کہانی کا آخری کنارہ" 2020ء میں شائع ہوا اور اس میں بیس افسانے شامل ہیں۔ جو مختصر بھی ہیں اور زندگی کے عکاس بھی۔

حمیرا اشفاق عصر حاضر کی ان افسانہ نگار خواتین میں شامل ہوتی ہیں جن کا افسانہ متنوع موضوعات، ندرت مضامین اور اسلوب کے لحاظ سے بہت منفرد ہے۔ "کتبوں کے درمیان" ان کا پہلا افسانوی مجموعہ ہے جو 2019ء میں منظر عام پر آیا اور ادبی حلقوں میں بے پناہ مقبول ہوا۔

عصر حاضر کے ان افسانوی مجموعوں میں خاندانی زندگی کے توسط سے جنسی میلانات، نفسیاتی پیچیدگیاں اور ذہنی الجھنوں کی تصویر کشی کی گئی ہے۔ ان میں فرد کی تنہائی، انتشار ذات، تغیرات زمانہ، خواتین کی عملی وسماجی زندگی جیسے موضوعات عام ملتے ہیں۔ ان خواتین نے ان موضوعات سے اپنے خیالات کشید کر کے اپنے افسانے کے بیانیے چوکھٹے میں یوں جڑ دیے ہیں کہ قاری خیالات کے اس تسلسل سے نکل نہیں پاتا جب تک کہ وہ دونوں مجموعے ہی نہ پڑھ لے۔

"کہانی کا آخری کنارہ" میں منزہ نے پاکستانی معاشرے میں انسانوں کی جس بے عملی زندگی کا ذکر کیا ہے وہ میسلیو کی تھیوری کے تناظر میں وہ انسان ہیں جنھیں سماج ان کی صلاحیتوں کے مواقع فراہم نہیں کرتا یہی وجہ ہے کہ وہ معاشرے کے بے عمل فرد بن جاتے ہیں اور معاشرے میں افادیت کے بجائے تخریبیت کا سبب بنتے ہیں۔ افسانہ "مفت خورا" کا مرکزی کردار طافو ایک ایسا ہی کردار ہے۔ جو سماج سے نئے طریقے سے انتقام لیتا ہے۔ اس کا نانا بابا شیرا جو مسلسل 70 سال کی عمر میں بھی لوہاری کا کام کر رہا ہے جب الطاف (طافو) اس کے گھر چند روز رہنے کے لیے آتا ہے تو اس کا نانا ہر وقت اسے ہڈ حرام اور نکما کہتا رہتا ہے۔ بالآخر وہ انتقامی جذبے کے تحت گھر سے جب جاتا ہے تو دور و نزدیک کے تمام رشتے داروں کو یوں خبر کرتا ہے۔

"بابا شیرا فوت ہو گیا ہے۔ رات کا مرا ہوا ہے۔ جلدی دفن ہو گا اس
لیے دیر نہ کریں اور باقی رشتہ داروں کو بھی اطلاع دیں۔ 2

یوں رشتہ داروں کا ایک جم غفیر ان کے گھر جمع ہو جاتا ہے۔ میسلیو کہتا ہے کہ جب کسی فرد کو ایسے مواقع نہیں دو گے کہ وہ اپنا اظہار کر سکیں تو وہ اپنا یوں ہی انتقام لیں گے۔ جیسے طافو نے کیا اور بابے شیرے نے ایک رات میں جتنے رشتہ داروں کو کھانا کھلایا طافو مفت بھی چار سال کھاتا رہتا تو کھانا ختم نہ ہوتا مگر چونکہ طافو کو مسلسل دباؤ میں رکھا جا رہا تھا اس لیے اس نے ایسا انتقامی وار کیا۔

ایسا ہی ایک کردار افسانے بھگوڑی کی سومو ہے۔ جو سماج سے بغاوت کرتے ہوئے اپنا راستہ خود متعین کرتی ہے۔ سومو کے متعلق کہا جاتا ہے کہ

"گھاٹ گھاٹ کا پانی پی ہوئی عورت سے بڑھ کر دلچسپ کردار اور کیا ہو سکتا ہے۔" 3

سومو ایسا کردار ہے جس نے اپنی مرضی سے زندگی گزارنے کی کوشش کی ہے۔ اور اپنے شوہر کو ناپسند کرنے کی وجہ سے اسے چھوڑ کر ایک بس ڈرائیور مشتاق کے ساتھ بھاگ جاتی ہے۔ سومو وہ کردار ہے جو اپنی ذاتی نشوونما تو کرتا ہی ہے اور معاشرے میں اپنا ایک مقام حاصل کرنے کے لیے کوشاں بھی ہے یہ اپنے آپ کو معاشرے کا بہتر فرد بنانے کی کوشش کرتی ہے مگر ڈرائیور مشتاق دغاباز نکلتا ہے اور سومو کو بے سہارا چھوڑ دیتا ہے۔ عموماً ایسے میں پاکستانی عورتیں اپنا جی چھوڑ بیٹھتی ہیں۔ مگر سومو ایسی نہیں تھی۔ اس نے اپنا آپ جی جلا کر جینے کی قسم کھائی۔ وہ اپنی ذہنی صلاحیتوں کو بروئے کار لاتی ہے۔ اور خود کو معاشرے کے رحم وکرم پر چھوڑنے کے بجائے ایک آدمی سے تیسری شادی کرتی اور اس کی بھی تیسری بیوی بن کر اس کے ساتھ ہنسی خوشی رہنے لگتی ہے۔ منزہ کے یہاں ایسی بہادر خواتین کا تصور عام ملتا ہے جو سماج میں بغاوت کر کے اپنی زندگی کو اپنی مرضی سے گزارنے کو ترجیح دیتی ہیں۔

افسانہ "کہانی کا آخری کنارہ" کی شالنی بھی ایک ایسا کردار ہے جو معاشرے کا دھتکارا ہوا اور عدم توجہ کا شکار کردار ہے۔ اسی وجہ سے وہ معاشرے کا فعال کردار نہیں بن سکتی۔ منزہ نے عورتوں کے کردار کی تشکیل کرتے ہوئے یہ دھیان رکھا ہے کہ یہ نسوانی کردار ہیں اور معاشرے کی عدم توجہ کا شکار ہیں یہی وجہ ہے کہ ان کرداروں میں کوئی خاص قسم کی فعالیت نظر نہیں آتی۔ عورت کو صرف گھر کی چیز سمجھا جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ یہ کردار معاشرے کے ارتقا میں حصہ لینے کی بجائے معاشرے کے جمود کا باعث بنتے ہیں۔ شالنی کا کردار بھی ایک ایسا ہی کردار ہے۔ جو اپنے وجود کے عدم اور ناعدم کے درمیان جھولتا رہتا ہے۔ اسے معاشرے سے بہت سی شکایات ہیں۔ وہ اکثر سوچتی ہے۔

" عورت اپنی چھٹی حس کے ساتھ جیتی ہے۔ سختی کے اندر سے اسے نرم لمس کی نوید آجاتی ہے۔
اور نرم نگاہ کے پیچھے چھپی عیاری کی داستاں بھی، وہ جس نے زندگی کو حواس کے سہارے جینا ہوتا
ہے۔ ٹھوس دیواروں اور دھاتی برتنوں کے بیچ الجھی رہتی ہے۔ 4

یہ ایک کردار نہیں بلکہ ایسے اور کئی کردار ہیں۔ جن کو معاشرہ مکمل آزادی نہیں دیتا جس کی وجہ سے وہ معاشرے کے ناکارہ فرد بنتے ہیں۔ افسانہ "حیات رائیگاں" کا کردار ارشد کو معاشرہ ذاتی نشوونما اور ذہنی صلاحیتیں استعمال کرنے کے مواقع فراہم نہیں کرتا۔ اس کی جسمانی ضرورتیں پوری نہیں ہوتیں جس کی وجہ سے خود لذتی کی کوشش میں وہ معاشرے کا ناکام فرد بن کر رہ جاتا ہے۔

"ارشد کی انگڑائی سے حظ اٹھانے کی خواہش اتنی خطرناک تھی کہ اسے یہ سزا ملتی
یہ بات بالکل لغو ہے، لغو در لغو اشیا، فضول اور فالتو افکار کے ڈھیر۔۔۔۔ اور ان کے
بیچ من مانی کرتا انسان، اور اس من مانی کرتے انسان کے ہاتھی جثہ پاؤں کے نیچے آ
کر مسلا جاتا ہے انسان۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ایک مزدور اور کر بھی کیا سکتا ہے۔" 5

افسانہ "بگاڑ" کا کردار رابعہ جو اپنے آپ کو اپنے گھر کو سدھارنے کی کوشش کرتی ہے۔ معاشرے کی خوش حالی میں اپنا کردار ادا کرتی ہے۔ ملازمت پیشہ ہونے کے باوجود وہ سماج کی اصلاح کا سوچتی ہے۔ مگر اس کے باوجود ہر چیز میں بگاڑ پیدا ہو جاتا ہے۔ اسی طرح افسانہ "زہریلی دھنک" کا کردار ریحانہ جو 11 سال کی عمر میں بیاہ دی گئی اور وہ کچھ دن بعد شدت درد سے مر گئی۔ اسی طرح نویں کلاس میں پڑھنے والی نجو جو زبردستی ریپ کے بعد حاملہ ہو گئی اور اسے زہر دے کر مار دیا گیا۔

"نجو کے پیر اس لیے پھول گئے تھے کہ کوئی اس کے پیروں تلے زبردستی

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol. 6 No.1 2022

جنت ڈال گیا تھا جسے اس کی ماں نے کھرچ ڈالا تھا کہ یہ جنت بے وقت کی
اور ان چاہی تھی۔ اور پھر اس کے رحم میں زہر کی پڑیا رکھوا دی۔"6

جو معاشرہ اپنے افراد کی صلاحیتوں کی حفاظت نہیں کر سکتا پھر وہ افراد بھی اپنی انفرادی اور تخلیقی صلاحیتوں کو بروئے کار نہیں لاتے اور معاشرے کے ناکارہ پرزے بن کر رہ جاتے ہیں۔

"کتبوں کے درمیان" کے افسانوی کردار بھی میسلیو کی پیش کردہ تھیوری کے تناظر میں اپنی صلاحیتوں کا اظہار کرتے نظر آتے ہیں۔ مسٹر چرچل وہ کردار ہے جو جدید ٹیکنالوجی سے نالاں ہے اور اپنے آپ کو ایک ایسے انسان کے تناظر میں دیکھتا ہے۔ جو سماج میں بے بس ہے۔ مسٹر چرچل وہ کردار ہے جو اپنی ذاتی نشو و نما تو کرتا ہی ہے اور معاشرے میں اپنا ایک مقام حاصل کرنے کے لیے کوشاں بھی ہے مگر اس کے ساتھ یہ سماجی اصولوں پر طنز بھی کرتا نظر آتا ہے۔ مسٹر چرچل سامراجی حکومتوں پر کڑی تنقید کرتا ہے کہ ایسی حکومتیں سیاسی پناہ گزینوں کے گلوں میں غلامی کے طوق ڈال کر انھیں ہمیشہ کے لیے محکوم بناتی ہیں۔ لوگوں کو دربدری پر مجبور کرتی ہیں۔ اس کردار میں بے پناہ حساسیت موجود ہے۔ اسی لیے یہ کردار جبریت کا عمدہ عکاس ہے وہ معاشرے کی ناانصافی کا احوال ان الفاظ میں پیش کرتا ہے۔

دراصل ہم پرانا مال ہیں ہمیں گوداموں میں پھینکنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ 7

یہ کردار اپنے سماجی وقار کے لیے ہمہ وقت کوشاں نظر آتا ہے۔ میسلیو کہتا ہے جب انسان کو معاشرہ دھتکار دیتا ہے تو اس کی صلاحیتوں کو زنگ لگ جاتا ہے۔ مسٹر چرچل جس ریلوے آفس میں ملازمت کرتا ہے وہاں سے لوگوں کو جبریت کے تحت نکالا جاتا ہے جیسے نینی کو نسلی تعصب کی بنا پر نکالا جاتا ہے۔ تو اس کی نسل کے لوگ شدید احتجاج کرتے ہیں کہ یہ نسلی تعصب ہے لیکن جب ان کی بات نہیں سنی جاتی تو وہ افراد شدید مایوس ہو کر معاشرے کے لیے ناکارہ بن جاتے ہیں۔ میسلیو اپنے نظریہ میں یہ بات واضح کرتا ہے کہ انسان کو انفرادی سطح پر اپنی تخلیقی صلاحیت کے اظہار کا موقع نہ ملے تو وہ شدید مایوس ہو جاتا ہے یہی سب کچھ نینی اور اس کے ساتھیوں کے ساتھ ہوتا ہے۔

مسٹر چرچل کو جب پتا چلتا ہے کہ اسے بھی نوکری سے نکالا جا رہا ہے تو وہ بغاوت کا رویہ اپنا لیتا ہے۔ وہ اس جبریت (جسے میسلیو انسان کی صلاحیتوں کا قاتل کہتا ہے) کا شکار بن جاتا ہے تب سوچتا ہے کہ اب انھیں اپنی پامالی نہیں سہنی چاہیے بلکہ ہزاروں کی تعداد میں مل کر اپنی آواز بلند کرنی چاہیے تاکہ کوئی نینی کی طرح برباد نہ ہو ۔ مسٹر چرچل ہمہ وقت یہی سوچتا ہے کہ وہ اب معاشرے کے لیے ناکارہ فرد بن چکا ہے۔ کیونکہ پہلے انسان کی اہمیت تھی اب اس کی جگہ مشینری لے رہی ہے۔ ہر کام مشین کر رہی ہے پہلے بینکوں میں انسان کی جگہ مشینوں نے لی ہے اور اب دوسرے محکموں کو بھی مشینوں کے حوالے کیا جا رہا ہے۔ مشینیں تیزی سے انسانی صلاحیتوں کو نگل رہا ہے۔ ہر شعبے میں مشینوں کی ترقی انسانوں کو روند کر آگے بڑھ رہی ہے۔ انسان ایک بے مقصد پرزے کی مانند ہے۔ اسی لیے جب مسٹر چرچل کو ان کی نوکری سے نکالا جاتا ہے تو وہ اپنی ذہنی صلاحیت کو بروئے کار لاتے ہوئے ایک انوکھا احتجاج کرتا ہے اور اپنے تمام جسم پر احتجاجی ٹیٹوز بنواتا ہے اور ایک چوک پر بیٹھ جاتا ہے تمام ریلوے ملازمین بطور احتجاج اس کا ساتھ دیتے ہوئے ہڑتال کرتے ہیں اور محض دو دن میں لندن کی تمام مشینری جام ہو جاتی ہے تب احساس ہوتا ہے مشینوں کی جتنی مرضی ترقی ہو جائے انسان کے بغیر وہ بیکار ہیں۔ لیکن انسانی صلاحیتوں کو ہر جگہ استعمال کیا جا سکتا ہے۔

اسی طرح افسانہ "گھگو گھوڑے" کا ایک کردار فیقا کمہار ہے۔ جو اپنی ذاتی صلاحیتوں سے استفادہ کرتے ہوئے اپنے کمہاری کے فن میں مہارت حاصل کرتا ہے۔ فیقا کمہار بہت زیادہ تخلیقی صلاحیت کا مالک ہے۔ اور اسی صلاحیت سے فائدہ اٹھا کر وہ میلے میں بیچنے کے لیے عمدہ کھلونے بناتا ہے۔ لیکن اس کردار پر بھی شدید معاشرتی جبر اس وقت نظر آتا ہے جب اسے میلے میں جا کر اندازہ ہوتا ہے کہ مٹی کے کھلونوں کی جگہ اب قلابازیاں لگانے والے خرگوشوں، لوہے کی چابی سے چلنے والے گھوڑوں اور پلاسٹک کے بنے بندروں نے لے لی ہے۔ جن کی قیمت اگرچہ مہنگی ہے۔ مگر انھوں نے مٹی کے کھلونوں سے خود کو بدل ہی لیا ہے اور اب ہر طرف ان ہی کی مانگ ہے۔ اس اقتباس سے اس بات کا اندازہ ہوتا ہے کہ اب انسان کیسا سوچنے لگ گیا ہے۔

"ایک جگہ بہت سے بچوں کی بھیڑ دیکھ کر فیقا بھی آگے بڑھا وہاں چھوٹے
چھوٹے پلاسٹک کے کھلونے تھے۔۔۔۔۔ فیقا کاروبار کے اتار چڑھاؤ جانتا تھا
سمجھ گیا کہ پچھلی بار کے بھلیکے میں اس نے مٹکوں کی بجائے کھلونے زیادہ بنا
ڈالے تھے جن کا چابی والے کھلونوں کے آگے ٹکنا مشکل نظر آ رہا تھا۔"8

اگرچہ فیقا کمہار اپنے کھلونے بیچنے کے لیے ان کی قیمت کم ترین یعنی دس سے دو روپے کر دیتا ہے۔ مگر پھر بھی اس کے کھلونے بہت کم بکتے ہیں۔ المیہ تو یہ ہے کہ خود اس کا بیٹا کریم بھی پلاسٹک کے کھلونوں کے لیے مچلتا اور روتا ہے۔ یعنی یوں سمجھنا چاہیے انسان کی ازلی خواہشوں کی ناتمام حسرتوں کو فیقا کمہار کے کردار میں پیش کر دیا گیا ہے۔ مٹی سے پلاسٹک کے کھلونوں تک آتے آتے انسانی صلاحیتیں کہیں دب جاتی ہیں اور کہیں نکھر کر سامنے آ جاتی ہیں۔ دراصل یہ افسانہ بتاتا ہے کہ زندگی کی رفتار لحہ بہ لحہ تیز سے تیز تر ہوتی جا رہی ہے۔ چونکہ زندگی تغیر سے عبارت ہے سو یہ تغیر بھی سرعت پکڑ گیا ہے۔ آدمی بھی تیزی سے بدل رہا ہے۔ اس لیے آدمی ہر وہ بنیادی عمل کر رہا ہے جو بعد میں مادی عمل میں بدل جائے اور جس کا بدلہ اس کو ڈالر کی صورت میں مل سکے۔ ہر کام، ہر عمل، ہر محنت کے لیے لازمی ہے کہ وہ پیداواری ہو۔ افسانہ نگار ان تیزی سے بدلتی معاشرتی اقدار سے واقف ہیں۔ انھیں معلوم ہے کہ دنیا کی یہ تیزی دراصل انسانی اقدار کی تغیر پذیری ہے جہاں پرانی قدریں مٹ رہی ہیں اور ان کی جگہ نئی اقدار لے رہی ہیں۔

افسانہ "گلاب" عورت کی صلاحیتوں سے منکر معاشرے کی جبریت کی داستان ہیں جہاں مس عطرت جیسے بھی کردار ہیں اور کہانی کی راوی کردار "میں" جیسے بھی۔ جو ہمہ وقت معاشرے کی اس بے انصافی کے بارے میں سوچتی کہ مردوں کو جو مواقع میسر ہیں عورتوں کو بھی میسر ہوں تو عورت کوئی بڑا کارنامہ سرانجام دے سکتی ہے۔ لیکن ہمارے معاشرے کی عورت کو اگر نوکری بھی کرنی پڑتی ہے تو بھی اسے کوئی سہولت میسر نہیں آتی۔ اسے نوکری کے ساتھ ساتھ گھر بھی سنبھالنا پڑتا ہے بچے پالنے پڑتے ہیں۔ گھر کے کام کرنے پڑتے ہیں اور شادی کے بعد عورت پوری کی پوری مرد کی مرضی کے تابع آ جاتی ہے۔ اس کی عکاسی افسانے کے ان الفاظ سے بخوبی ہوتی ہے۔

"شادی بھی ایک جنجال ہے۔ جاگو تو کسی اور کی مرضی سے، سو و تو
کسی اور کی مرضی سے، بس عورت کی تو جیسے کوئی مرضی ہی نہیں۔"9

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol. 6 No.1 2022

میسلیو کی تھیوری کے مطابق انسان چاہے مرد ہو یا عورت، اگر اس کے ذاتی وقار پر بات ہوگی تو وہ معاشرے کے لیے کارآمد نہیں رہتا۔ اس افسانے کے تناظر میں تو عورت کا کوئی ذاتی وقار نہیں اس کی معاشرے میں مرد سے بہت کم تر حیثیت ہے۔ اسے کہا جاتا ہے اس کا کام بچے پالنا ہے۔ عورت کا کام اس کے علاوہ کچھ بھی نہیں ہے۔ اسے مردوں کی برابری کا نہیں سوچنا چاہیے۔

افسانہ "روشنی کا سفر" کا مرکزی کردار سمی کا ہے۔ یہ کردار میسلیو کی تھیوری کے مطابق وہ فاعلی کردار ہے جو بیک وقت اپنی نشوونما بھی کرتی ہے اپنے کردار میں وہ خوبیاں بھی پیدا کرتی ہے جسے وہ دوسروں سے ممتاز و منفرد ہو سکے اس کے علاوہ اپنی تخلیقی صلاحیتوں کا معاشرے میں مثبت استعمال کرتی ہے۔ لیکن اس کا بھائی اسے اس تعلیم سے روکتا ہے وہ اس کے لیے معاشرتی جبر کا استعارہ بن جاتا ہے مگر چونکہ اس کے اندر انفرادی صلاحیتیں موجود ہیں ۔ اس لیے وہ اس جبر کے خلاف باغیانہ انداز میں آواز بھی اٹھاتی ہے۔ اس کے یہ جملے اس کی بغاوت کا عمدہ اظہار یہ ہیں۔

"سندھ کی بیٹی ہوں، مجھے زمین میں بھی گاڑ دو گے تو میں کسی
اور طرف سے راستہ بنا لوں گی۔" 10

دوسری طرف دادی لیلاں کا مضبوط کردار ہے۔ جس نے عورتوں کی تعلیم و تربیت کی طرف خصوصی توجہ کی ہے۔ اس نے چونکہ ایک خاص عرصے تک اپنی کردار سازی کر کے معاشرے میں اپنا ایک مقام متعین کیا ہے۔ اس لیے لوگ ان کی بات مانتے ہیں۔ میسلیو جن معاشرتی عوامل کا ذکر کرتا ہے جو انسان کی صلاحیتوں کو پروان چڑھانے میں معاون ثابت ہوتے ہیں ان میں دادی لیلاں جیسے کردار بھی ہوتے ہیں۔ سمی کو تعلیم کی جانب راغب کرنے میں دادی لیلاں کا نہ صرف اہم کردار ہے بلکہ جب اس کا بھائی اس کو تعلیم سے منع کرتا ہے تو دادی لیلاں تمام علاقے کی لڑکیوں کو تعلیم کے لیے اکٹھا کر لیتی ہے۔ یوں یہ ایک کردار دوسرے کردار سے تقویت پاتے ہوئے معاشرتی جبر سے آزاد ہو جاتا ہے۔

اسی طرح سے افسانہ " حصار " کا بنیادی کردار ایک مشین کی طرح جذبات سے عاری ہو کر جس کی طرح کی حرکتیں کرنا چاہتا ہے وہ بہت مشکل انسان کی زندگی ہے۔ یہ انسان میسلیو کی تھیوری کے تناظر میں وہ انسان ہے جسے معاشرے نے مواقع تو دیے ہیں لیکن اس کی اصل صلاحیتیں مشینیں نگل چکی ہیں۔ اس نے اپنی صلاحیت پر چل کر جس طرح کامیابی کی منازل طے کی ہیں وہ اسے معاشرے کا ایک ممتاز فرد تو بنا دیتی ہیں اور اسے ایک معاشرتی وقار بھی ملتا ہے مگر وہ مشینوں کی جس جبریت کا شکار ہے اس نے اسے لطیف جذبات چھین کر اسے ایک پرزہ بنا کر رکھ دیا ہے بس۔ جہاں وہ اپنی تلاش میں سرگرداں پھرتا رہتا ہے اور اپنے آپ کو ڈھونڈتا رہتا ہے۔

" کتبوں کے درمیان " وہ افسانہ ہے جس میں افسانہ نگار کے تانیثی نظریات کھل کر سامنے آتے ہیں۔ افسانے کے تناظر میں لڑکیوں کے قتل عام کے محرکات کو اس افسانے میں تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔ اور ان کی شناخت کتبوں کے ذریعے ظاہر کی گئی ہے۔ افسانہ عورت کے استحصال کی ترسیل یوں کرتا ہے۔

"عورت تو بے شناخت پیدا ہوتی ہے۔ یہاں تک کہ وہ خود کو دوبارہ
بھی جنم دے تو بھی مرد کا نام اس کی پیشانی پر چسپاں ہونا چاہیے۔" 11

اس افسانے نے اس استحصالی دنیا اور اس کی چالوں کی کھل کر وضاحت کی ہے کہ کس طرح معاشرہ ان نظریات کی ترویج کرتا ہے جو اس کے بوگس سسٹم کی طاقت بن سکیں۔ افسانہ نگار نے اس افسانے میں عورت کو ایک فاعلی انداز میں پیش کیا ہے۔ جہاں اس کی شناخت کتبہ بنتا ہے۔ عورت کا یہ فاعلی انداز اسے معاشرے میں مفعولی ہونے سے بچاتا ہے نیز اسی انداز کی وجہ سے عورت استحصال کا شکار ہوتی گئی ہے۔ اسی افسانے کی مناسبت سے اس مجموعے کا نام بھی " کتبوں کے درمیان " رکھا گیا۔

افسانہ " مس للی " تیسری جنس کی کہانی ہے جسے معاشرہ اس کی انفرادیت کی وجہ سے قبول نہیں کرتا یہاں تک وہ وہ زندگی جینے کی خواہش میں یورپ جا بستا ہے۔ معاشرے کے جبر اور محرومی کا شکار یہ کردار دراصل ہماری کھوکھلی تہذیب اور جھوٹی شان و شوکت کا مظہر ہے۔ میسلو کہتا ہے انسان کو سازگار ماحول نہ ملے تو وہ معاشرے کے لیے ایک بے کار پرزہ بن کر رہ جاتا ہے۔ یوں مس للی بھی معاشرے کے جبر سے دوسرے ملک پناہ گزین ہوتا ہے۔ جب کہ اپنے ہی ملک میں وہ اپنے بہن بھائیوں کے ہاتھوں جبر کا شکار تھا۔ مس للی کی بہن کی زبان سے نکلے یہ الفاظ معاشرے کی بے رحمی کے عمدہ عکاس ہیں۔

"جو، وہ نہیں تھا، وہ، وہ کیسے بن کر رہتا آخر.........لوگوں کے طعنوں سے بچنے
کے لیے اسے ماموں کے پاس بھیج دیا گیا تھا وہ نہیں جانا چاہتا تھا تب میں نے
اسے کہا تھا کہ وہ یہاں رہے گا تو ہم بہنوں کے رشتے بھی نہیں ہوں گے۔" 12

اسی طرح دیکھا جائے تو بھاگ بھری کا کردار، افسانہ "میں - میں = ہم" کا کردار میں، افسانہ " عشق سمندر " کا کردار رفی، افسانہ " ایڈم اور میں " میں ایڈم کا کردار، " ادھورا مقدمہ " کا کردار میں، ابن سقراط کا کردار، راؤنڈ اباؤٹ کا ممتا بھرا کردار یہ سب وہ کردار ہیں۔ یہ سب کردار جن میں زیادہ تر عورتوں کے کردار ہیں۔ ان کے اندر بے پناہ تخلیقی صلاحیتیں موجود ہیں۔ جن کی ذاتی نشوونما کے مواقع بہت کم ہیں جب کہ معاشرے نے انھیں جبراً بہت ساری ایسی صلاحیتوں کی ذاتی نشوونما سے روک دیا ہے جس کی وجہ سے وہ معاشرے کے لیے ویسی فعال اور کارآمد نہیں ہو سکتیں جیسا کہ انھیں ہونا چاہیے۔ ان افسانوں میں واضح طور پر عورت کو کم تر اور مرد کو بہتر مخلوق قرار دیا ہے۔ میسلیو یہی کہتا ہے جب کسی انسان کے ذاتی وقار کو ختم کرو گے تو پھر اس کے اندر بغاوت آئے گی جو ان کرداروں کے ہاں کسی نہ کسی سطح پر موجود ہے۔

حمیرا اشفاق ان افسانوی ثنائی کرداروں کے ذریعے یہی بتانا چاہتی ہیں کہ عورت کے جذبات و احساسات کا خیال کرنا چاہیے۔ عورت کے ناقابل بیان جذبوں کے اظہار کو جو وسیلہ انھوں نے اختیار کیا۔ وہ کم افسانہ نگاروں کے ہاں نظر آتا ہے۔ انھوں نے اپنی بات کہنے کے لیے داستانوی انداز، علامتی و تمثیلی اور استعاراتی طرز اظہار سے بھی کام لیا اور سادہ انداز بیان کو بھی اپنایا۔ تاکہ اپنے نظریات کا ابلاغ کر سکیں۔ ان افسانوں میں حمیرا نے فنی رکھ رکھاؤ کے ساتھ سماجی مسائل کی عکاسی بھی کی ہے۔ سیاسی، سماجی جبر کے خلاف آواز بھی اٹھائی ہے اور تشدد پسند عناصر کو ناکام کرنے کی کوشش بھی کی ہے۔ خاص طور پر افسانہ " ادھورا مقدمہ " اور " راؤنڈ اباؤٹ " کو اس کی مثال کے طور پر پیش کیا جا سکتا ہے۔

افسانے بھورا بیل کا مرکزی کردار شہباز معاشرے کا دھتکارا ہوا کردار ہے جس کی ذاتی نشوونما اور تخلیقی صلاحیت کو معاشرے نے جبراً دبا رکھا ہے۔ وہ جب بھی کسی سماجی ناانصافی، نہری پانی کی بندش، سکولوں کی بدحالی، ہسپتالوں کی کمی، فنڈز کا امیروں میں تقسیم ہو جانا، سڑکوں کی خستہ حالی اور کسانوں سے کم قیمت پر دودھ خریدنے والی فیکٹری کے خلاف آواز اٹھاتا ہے یا کسی اور سماجی ناانصافی کے خلاف

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol. 6 No.1 2022

بولتا ہے تو اسے شدید معاشرتی رد عمل کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ جس سے اس کی صلاحیتیں متاثر ہوتی ہیں۔ یہ کردار انسانی زندگی کے تناؤ اور کشمکش کی عکاسی ہی نہیں کرتا، بلکہ اس کے خلاف جدوجہد بھی کرتا نظر آتا ہے اور معاشرے کے جبری رویوں پر رد عمل کا اظہار بھی کرتا ہے۔

افسانہ تھوک کا ایک باغی کردار زینو ہے۔ جسے میسلیو کی تھیوری کے تناظر میں ایک الگ طرح سے دیکھا جاسکتا ہے اس کردار کو ذاتی نشوونما کا، موقع نہیں ملتا البتہ تخلیقی صلاحیتوں کے خوب مواقع ملتے ہیں لیکن یہ کردار اپنے اوپر جبری پابندیاں لگالیتا ہے۔ اور اپنے آپ کو اپنے ایک خول میں سمیٹ لیتا ہے۔ اسی لیے اس کے ہاں باغی رویہ بہت شدت سے ملتا ہے۔ جب اس کی ماں کہتی ہے کہ پکے جامن چوہدریوں کے لیے الگ کرلو تو وہ باغی انداز میں کہتی ہے۔

"اماں! ہم پلید اور ہمارے ہاتھ کے پھل پاک ہیں؟"13ے

جب گاؤں کا چوہدری اس پر ہاتھ ڈالنے کی کوشش کرتا ہے تو وہ اس پر تھوک کے چل دیتی ہے۔

حمیرا اشفاق نے افسانے میں اس کے فنی پہلوؤں پر زور دیا اور اس کے ضروری اجزائے ترکیبی پر توجہ دی۔ اس توجہ دینے ہی کا نتیجہ یہ نکلا کہ ان کے افسانوں میں کردار نگاری اور جزئیات نگاری کا ایک نیا انداز سامنے آیا۔ انھوں نے زندگی کو خارج اور داخل دونوں زاویوں سے دیکھنے کی کوشش کی ہے زندگی کی گہرائی و گیرائی کو جس طرح انھوں نے پیش کیا ہے اور اپنے افسانے کو اپنی ذات کے حصار سے نکال کر ماحول اور گردوپیش سے اس کا رشتہ جیسے استوار کیا ہے بہت کم افسانہ نگاروں کے ہاں یہ بات ملتی ہے۔ انھوں نے اپنے افسانوں میں اپنے عہد کی تیز رفتار بدلتی ہوئی زندگی، سنگین حالات اور نت نئے مسائل کی ترجمانی کر کے گہرے سیاسی، سماجی شعور کا احساس دلاتی ہیں۔

ان دونوں افسانوی مجموعوں کے افسانوں میں پلاٹ کی تشکیل پر خصوصی توجہ دینے کے ساتھ ساتھ کرداروں کی بنت اور مکالمے میں زبان و بیان کا عمدہ اظہار ملتا ہے۔ دونوں خواتین کا تخیل اس افسانوی مجموعے میں پوری گہرائی و گیرائی سے موجود ہے۔ ان کے یہاں آفاقی مسائل کے بجائے سماجی مسائل پر زور دیا گیا ہے۔ انھوں نے کہانی میں کئی سطح پیدا کرنے کے باوجود کہانی پن کا عنصر برقرار رکھا اور سپاٹ بیانیہ کا خاتمہ کیا۔ انھوں نے کسی رجحان یا تحریک کا دباؤ قبول کیے بغیر آزادانہ تخلیقی روش اختیار کرتے ہوئے اپنے افسانے کو روایتی جکڑ بندیوں سے آزاد کیا۔ ان خواتین نے خود کو موضوعات و اسالیب کا پابند نہیں بنایا بلکہ ان کے ہاں کہانی کی تکنیک اور ایک منفرد اسلوب بیاں نظر آتا ہے۔ ان کے ہاں افسانویت اور بیانیہ پر پورا زور نظر آتا ہے اور ایسا پیرایہ اظہار ملتا ہے جس میں حقسانہ کا امتزاج ملتا ہے۔ ان کے افسانوں میں داستانوی انداز، علامتی و تمثیلی و استعاراتی طرز اظہار بھی ملتا ہے۔

ان خواتین افسانہ نگاروں نے اپنے کرداروں کی زندگی کے سماجی پہلوؤں کی عکاسی کی۔ کردارر کے خارج و باطن دونوں رخ کو پیش کرنے کی سعی کی۔ ہر کردار کو چاہے وہ مشرق کا ہو یا مغرب کا۔ چھوٹا ہو یا بڑا۔ ان سب کرداروں کو ان کے پس منظر میں ابھرنے کو برابر موقع دیا۔ تاکہ یہ کردار اپنی تمام جزئیات کے ساتھ افسانوں میں نمایاں ہو سکیں۔ اس طرح کرداروں نے کہانی کے اکہرے پن کو بھی ختم کرنے میں مدد دی ہے۔ ان خواتین نے اپنے افسانوں میں غیر ضروری تفصیلات سے احتراز کرتے ہوئے ضروری جزئیات و تفصیلات کو اپنے افسانوں میں جگہ دی ہے۔ جس سے مرکزی کردار یا خیال کی نفسیات پر روشنی پڑ سکے اور افسانہ میں مناسب فضا کی تشکیل بھی ہو سکے۔ ان کے نزدیک انسانی رشتوں کو مشینیں نگلتی جا رہی ہیں۔ رشتے ضرورت کے تحت بنتے اور مٹتے جارہے ہیں۔ معاشرتی ناانصافی اور دہرے معیارات بھی ان کے افسانے کے نمایاں موضوع ہیں۔ ان خواتین افسانہ نگاروں نے موجودہ دور کے تمام موضوعات کو اپنے افسانوں میں سمیٹ لیا ہے۔ بہ اعتبار مقدار اور بہ اعتبار معیار، دونوں ہی سطح پر خواتین افسانہ نگاروں کی خدمات قابل قدر اور قابل تحسین ہیں۔ وہ موضوعاتی اور فنی و تکنیکی ہر طرح سے افسانہ نگاری کی روایت کو آگے بڑھانے میں مصروف ہیں۔

حوالہ جات:

1۔ ابراہم میسلیو، The theory of Humanistic Perspectives، www. humanistic-perspectives-on-personality تاریخ ملاحظہ، 9 ستمبر 2020، وقت 3 بجے شام۔

2۔ منزہ احتشام گوندل، کہانی کا آخری کنارہ، فیصل آباد: مثال پبلشرز، 2020، ص 20

3۔ ایضاً، ص 41

4۔ ایضاً، ص 52

5۔ ایضاً، ص 62

6۔ ایضاً، ص 78

7۔ حمیرا اشفاق، کتبوں کے درمیان، لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، 2009ء۔ ص 17۔

8۔ ایضاً، **ص 27**

9۔ ایضاً، **ص 32**

10۔ ایضاً، ص 45

11۔ ایضاً، ص 64

12۔ ایضاً، ص 122

13۔ ایضاً، ص 158